1165

NATIONAL PRESS URDU LITERATURE SERIES No 17

اشعار مومن

از

عبد المنان صاحب بیدل۔ ایم۔ اے عظیم آبادی
پروفیسر گورنمنٹ کالج پٹنہ

ناشر

لالہ رام نراین لعل۔ بکسیلر
الہ آباد

بار اوّل   ۱۹۳۳ء   قیمت مر

تمہید

جو شائقین کلامِ مومن اس حقیر و مختصر تالیف کو اس غرض سے پڑھینگے کہ اس میں کلامِ مومن پر کوئی قابلانہ تنقید ہوگی یا مومن کے سوانح حیات و حالات پر کوئی نئی اور خاص روشنی ڈالی گئی ہوگی اُنھیں اس مجموعہ کو پڑھکر غالباً مایوسی اور حسرت ہوگی۔ حیات و کلامِ مومن پر فاضلانہ مقالے جناب ضمیر الدین صاحب عرشؔ۔ نیاز صاحب فتحپوری مدیر جریدہ نگار۔ سید امتیاز احمد صاحب بی۔ اے۔ مرزا جعفر علی خاں صاحب اثرؔ۔ مولوی عبد الباری صاحب آسیؔ اور مولانا عارف صاحب ہسوی جیسے سخن داں و سخن سنج اہلِ قلم لکھ چکے ہیں اور غالباً کوئی پہلو اُن کی احاطۂ تحریر سے نہیں چھوٹا۔ مجھے کلامِ مومن پر تنقید کی نہ صلاحیت ہے اور نہ اس کا موقع۔ یہ مختصر سا رسالہ موسوم بہ "اشعارِ مومن" اس نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی کے طالب علموں کو ایسے سوالات کے حل کرنیکا مواد ملجائے جو اکثر یہاں کے ممتحنین پوچھا کرتے ہیں۔ کلامِ مومن پٹنہ یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم میں

داخل ہے اور کوئی جامع اور مختصر کتاب طلبا کے کام کی ابتک میری نظر سے نہیں گزری اور اسی وجہ سے یہ کتاب لکھنی پڑی۔

انتخاب اشعار میں بھی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر غزل سے کم از کم پانچ شعر ضرور چھپنے جائیں تاکہ ممتحنین کسی ایک غزل کی شرح پوچھ سکیں۔ اس کے سوا اور کوئی نقطۂ نظر انتخاب میں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔

میرے محترم دوست حافظ شمس الدین احمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر پٹنہ کالج نے پروف کی تصحیح کی ہیں اُن کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے اِس حقیر تالیف کی ترتیب میں میری پوری مدد کی اور مجھے موقع تشکر دیا۔

عبدالمنان بیدل
پٹنہ یکم نومبر ۱۹۳۲ء

تعارف

مومن محتاجِ تعارف نہیں۔ غدر سے پہلے کی دلّی کی شاعری کی
فضا کے ابعادِ ثلاثہ میں سے یہ ایک ہیں۔ غالب کی ہمہ دانی اور ہمہ گیری نہ سہی،
ذوق کی روانی اور حکمت پژوہی نہ سہی، مگر اپنے ذاتی جذبات کی رنگارنگ
نقاشی مومن ہی کے حصہ میں رہی۔ ایک جزوِ ضعیف ہو کر انسان کا من حیث
کُل احساس اِن کے ہاں نہیں۔ انسانی تجارب نے منتج ہو کر محاورات اور
ضرب المثلوں کی جو صورت اختیار کی اُن کا صفائی اور لطافت کے ساتھ
اشعار میں باندھ لینا اُن کی جاگیر نہیں، مگر اپنی ہی بیتی کہنا اور اُس کو بھی اِس طرح
کہہ گزرنا کہ سُننے والا سُنے اور سر دُھنے یہ اِنھیں کی ملکیت رہی۔ یہ جو کچھ کہتے
ہیں مومن ہو کر اور رہ کر کہتے ہیں۔ اِن کے احساسات میں عالمگیری نہیں
بلکہ تشخّص اور تجرد ہے۔ علوم و فنون متعارفہ اِن کی زبان اور قلم پر چھا گئے
ہیں، معمولی سی معمولی بات میں بھی اشارات علمیہ جلوہ ریز ہیں۔ طب و
حکمت تو وراثتہً ملی ہی تھی مگر مہارت نے مسائل طبیہ اور حکمیہ کو اِن کے
بیان کے ساتھ کچھ اس طرح شیر و شکر کر دیا ہے کہ روزمرہ کی گفتگو میں بھی انکا
عکس پرتو افگن ہے۔ یہ نہیں کہ مومن اپنی شاعری کی اِن خصوصیات سے
ناآشنا ہیں۔ نہیں اِن کو اپنے کمال کی جامعیت کا خاص طور پر احساس ہے:—

میرے سینے کے صفحے میں ہے رقم — علمِ دانا دلانِ یونانی
مجھ تلک پہنچے ہیں اب و جد سے — ورثتاً نکتہ ہائے لقمانی
مہرِ افلاکِ عقل و دانش ہوں — فطرتی ہے مری درخشانی
وہ خردمند ہوں کہے ہیں مجھے — عقلِ اوّل حکیمِ لاثانی
ہیں روش دان حکمِ برجیسی — ہیں ادا فہمِ سپہرِ کیوانی
ہوں وہ نباض جسکے ناخن میں — حرکاتِ عروقِ شریانی
آئینہ ہے صفا سے دل میرا — کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
میرے ربطِ کلام کو پہنچی — نثرِ سعدی نہ نظمِ سلمانی
میرے گوہر تمام ناسفتہ — میرے یاقوت سب بدخشانی
میری نیرنگیٔ تخیل سے — سیمیا گر ہے روحِ نفسانی
ہیں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں — جسکے در کا گدا ہے خاقانی
میری نسبت سے خاکِ ہند کو ہے — رونقِ سرمۂ صفاہانی

شاعرِ بے نظیر ہوں سحر بیاں دبیر ہوں — دم ہے مرا نمونۂ معجزۂ پیمبری

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک — ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم — تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو ۔۔۔ جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

اچھا خاندان، اچھی صورت اور احباب و اقربا کے پیار نے مومن کو عاشق معشوق وش بنا رکھا ہے :-

ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر ۔۔۔ ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

کبھی تو معشوق سے عاشقانہ مکالمات ہیں -

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ۔۔۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور کبھی نازک مزاجی معشوق کا معشوق بنا دیتی ہے اور نیاز کے بجائے ناز کرتے نظر آتے ہیں :-

اب اور سے لو لگائیں گے ہم ۔۔۔ چوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
بگڑے تو کریں گے اور سے صلح ۔۔۔ تجھ پہ بھی پری بنائیں گے ہم
گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو ۔۔۔ منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم

ذہانت طبعی نے قلم کو کچھ ایسا سریع السیر کر دیا ہے کہ اوسط فہم والے طبائع اُن کے بعض اشعار کو پہیلی سمجھتے ہیں -

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لئے ۔۔۔ سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے

غالب مرحوم کی طرح صرف نالہ کہنا بھی طبع نازک کو پسند نہیں :-

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے ۔۔۔ اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

غالب فرماتے ہیں -

کہیں نظر نہ لگے اُن کے دست و بازو کو ۔۔۔ یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

مومن سر ہلاتے ہیں کہتے ہیں یہ تو ہوا ہی کرتا ہے۔

میری تغییر رنگ کو مت دیکھ تجھکو اپنی نظر نہ ہو جائے

عاشق کی حیرانی شعرا کی عام جولانگاہ ہے مگر اس حیرانی کا معشوق پر اثر مومن سے سنئے۔

دیدۂ حیران نے تماشا کیا دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

جفا کا گلہ سبھوں کی زبان پر ہے مگر جفا سے مؤثر طریقے پر باز رکھنے کے ہتھکنڈے کوئی مومن سے سیکھے۔

جب مجھے رنج دل آزاری نہیں بے وفا! پھر حاصل بیداد کیا

بے وفا کہنے کی شکایت ہے تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

اس میں شبہ نہیں کہ دل گرفتگی کی مملکت پر میر ہی کا خطبہ اور سکہ جاری رہا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قلمرو میں کسی اور کا گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ مومن کی کامرانی ملاحظہ ہو۔

اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے کیا قیامت ہے دل کا آ جانا ہا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم! صبر آخر کرے وفا کب تک

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو جوں سوزِ دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو
کیا حال ہے عدم کا کہا تو بجھیو تم اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

صبرِ وحشت اثر نہ ہو جائے کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
اے قیامت نہ آئیو جب تک وہ مری گور پر نہ ہو جائے
اے دل آہستہ آہِ تاب شکن دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

تسلی دمِ واپسیں ہو چکی ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
خیالِ اجل سے تسلی کروں وہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی

قہر ہے چھیڑنا نگاہِ یار کا الاماں اس بارِ گشتی تیر سے

نزاکتِ خیال کی کچھ انتہا ہے !! :-

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا
خواہشِ مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ترجمانِ التماسِ شوق ہے تغیرِ رنگ　　جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

دکھائے آئینہ ہوا اور مجھ میں جان نہیں　　کھو گئے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو　　یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں　　اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہونگے
تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے　　ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے

پامال اک نظر میں ثبات و قرار ہے　　اُس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے　　نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں　　کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

نادان دل کو مرگ کا ابتک گماں نہیں　　اللہ! کیا گمان تھا عمرِ دراز کا

خواجہ کلاں۔ پٹنہ سٹی
۱۰ر نومبر ۱۹۳۳ء

(ڈاکٹر) عظیم الدین احمد (پی۔ ایچ۔ ڈی)
صدر شعبہ عربی و فارسی و اردو گورنمنٹ کالج پٹنہ فیلو
پٹنہ یونیورسٹی۔

اشعار مومن

سوانح حیات

سید حکیم نامدار خاں اور سید حکیم کامدار خاں دو بھائی شاہ عالم کے زمانہ میں زعفران زار کشمیر سے آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے جو اب بھی علما اور حکما. شعرا اور اطبا کا مرکز و مرجع تھی۔ یہاں آکر دونوں بھائی شاہی طبیبوں میں داخل ہو گئے۔ اور خاں صاحب کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ حکیم نامدار خاں کے بیٹے حکیم غلام نبی خاں اور اُن کے فرزند خلف (ہندوستان کے نازک خیال شاعر) حکیم مومن خاں تھے۔ مومن خاں ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے والد کو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے خاص ارادت تھی۔ اِس عقیدت و ارادت کی یہ وجہ تھی کہ جب مومن پیدا ہوئے تو حکیم غلام نبی خاں کی درخواست پر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے اُن کے کانوں میں اذان دی اور مومن علی خاں نام تجویز کیا۔ اگرچہ خاندان کے بعض افراد نے اس نام کو پسند نہیں کیا اور حبیب اللہ خاں نام رکھا مگر وہ اس نام سے مشہور نہ ہو سکے۔

مومن خاں کی شادی میر محمد نصیر صاحب رنج خلف میر کلو نبیرہ خواجہ میر درد کی دختر بیگم سے ہوئی تھی۔ مومن کے تین اولادیں ہوئیں۔

ایک بیٹا اور دو بیٹیاں۔ ایک بیٹی عالم شیر خوارگی میں والدین کو داغ مفارقت دے گئی۔ دوسری بیٹی مولوی عبدالغنی صاحب وکیل ضلع سیتاپور سے بیاہی گئی۔ بیٹے کا نام احمد نصیر خاں تھا۔

مومن خاں نے صرف اکاون سال کی عمر پائی ۱۸۵۱ء میں کوٹھے سے گر کر اس بلند خیال شاعر نے دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہا۔ ایک شاگرد رشید نے تاریخ وفات کہی "ماتم مومن خاں" (۱۲۶۸ھ) دلّی دروازہ کے باہر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مقبرہ کے پاس سپرد خاک ہوئے۔

مومن خاں کی تعلیم

مومن نے درسیات کی تعلیم شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاصل کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر طب کی کتابیں اپنے والد اور اپنے دونوں چچا حکیم غلام حسن خاں اور حکیم غلام حیدر خاں سے پڑھیں۔ اور انھیں کی نگرانی میں نسخہ نویسی کی مشق کی۔

مومن خاں گرچہ خاندانی طبیب تھے مگر ان کو اس پیشہ کے ساتھ کچھ خاص شغف نہ تھا۔ نسخہ نویسی کرتے رہے۔ علاج معالجہ سے بھی باز نہ آئے مگر ان کی بے چین طبیعت کے لئے کوئی دوا اس فن میں نہ تھی۔ حصول علم رمل کی طرف متوجہ ہوئے۔ آدمی ذہین و ذکی تھے تھوڑے ہی دنوں میں اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ ماہرین فن سے علم نجوم بھی سیکھا اور اس میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا۔ ان کی پیشینگوئیاں اکثر درست ہوئیں۔ ان کے احباب ان سے اپنا زائچہ درست کراتے اور اس خدمت کو یہ بڑے شوق سے انجام دیا کرتے

اور اپنی فرصت کا وقت فنِ اختر شناسی کی مشق میں صرف کیا کرتے اپنی حیاتِ معاشقہ میں اس فن سے اکثر کام لیا۔ گرچہ کچھ فائدہ نہ ملا۔ لکھتے ہیں۔

اِن نصیبوں پر کیا اختر شناس آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا؟

ننچیاں طبیعت والے زندہ دل مومن کو شاعری سے طبعی مناسبت تھی۔ ابتدائے مشقِ سخن میں شاہ نصیر سے اصلاحیں لیں۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد انکو کلام دکھانا چھوڑ دیا۔ اور پھر اُن کی جدّت پسند افتادِ طبیعت نے انکو کسی کی شاگردی اختیار نہ کرنے دی۔ غالباً اسی وجہ سے انکے کلام میں جابجا زبان کی غلطیاں اور خامیاں رہ گئیں۔

مومن کے تبحرِ علمی کا سکّہ اُن کے تمام ہمعصروں پر تھا۔ مفتی صدرالدین آزردہ جیسے باکمال اشخاص بھی اُن کی قابلیت اور جامعیت کے قائل تھے

مومن نہایت ہی ذہین تھے۔ حافظہ بھی بلا کا تھا۔ جناب شاہ عبدالقادر صاحب کی زبان سے نکلے ہوئے جملے اُن کو یاد تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی تقریر یا وعظ کو صرف ایک بار سنا اور لفظاً بلفظ دہرا دیا۔

علمِ موسیقی، ریاضی، صنعت وحرفت، سادہ کاری، اور آتشبازی وغیرہ جیسے فنون سے بھی اُن کو کافی لگاؤ تھا۔ مومن خان شطرنج بھی بہت اچھی کھیلتے تھے۔

مومن خاں کی مشہور تصنیفیں یہ ہیں۔

کلیاتِ اشعار اُردو۔ انشائے فارسی۔ دیوان فارسی۔ جانِ عروض۔ خواص بان۔ شرح سلسلہ

مومن خاں کی شکل و شباہت

جوانی میں مومن خاں نہایت ہی حسین تھے۔ اُن کے خط و خال ایسال فریب تھے۔ بڑی بڑی سرگیں آنکھیں ردکش چشم غزالان ختن تھیں۔ گلابی گال سیب فروش تھے۔ بدن گٹھا ہوا تھا اور سارے جسم میں ایک حیران کن تناسب تھا۔

اُن کی وضع بھی خاص تھی اور پوشاک بھی نرالی تھی۔ سر پر زلف دراز۔ آنکھوں میں سرمہ۔ بدن میں ململ کا انگرکھا اور ڈھیلا ڈھالا پائجامہ جس میں سُرخ نیفہ لگا ہوتا۔ اکثر خوش رنگ دوپٹہ کو بل دیکر کمر میں لپیٹ لیتے تھے۔ سر پر بنیج گوشیا ٹوپی جس کے کنارے پہ سفید ریشمی لیس ٹکی ہوتی۔ عطریات اور پان سے خاص شوق تھا۔

عادات و اخلاق مومن

معاملاتِ حسن و عشق سے واقف ہمارا زندہ دل شاعر مومن اپنی جوانی کے ایام میں ایک آزادانہ اور والہانہ مزاج کا ہوشیار انسان تھا۔ اس کا شباب افسانۂ محبت کی رنگین داستان ہے۔ اور اس کی جوانی سعیِ تکمیل جنوں کا زمانہ۔

خاک اُڑائی ہیں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی
شاہجہاں آباد سارا نجد کا بن ہو گیا

مومن چونکہ فطرتاً ایک دوربین اور حقیقت شناس نظر لیکر آئے تھے اس لئے بہت جلد اُن پر منکشف ہو گیا کہ حیات دنیا کی تماکش سراب سے زیادہ نہیں۔ حوادثِ عالم کے شکار بنے گردش روزگار

کا نشانہ ہوئے۔ جوانی کا نشہ ٹوٹا اور مومن خاں ایک مذہبی اور دیندار بزرگ بن گئے۔

مومن بہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

مومن طبعاً غیور، قانع اور خوددار تھے۔ راجہ کپورتھلہ نے جب اُن کی علمیت و صلاحیت کا شہرہ سنا تو بلا بھیجا۔ معقول تنخواہ کا وعدہ فرمایا مگر مومن غیرت مند نہ گیا۔ صرف اس وجہ سے کہ دربار کپورتھلہ کے گویے کی تنخواہ بھی اسی قدر تھی جس قدر اُن کو دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج کی پروفیسری کے لیے طلب ہوئے مگر مومن نے قناعت کا دامن نہ چھوڑا اور ملازمت کی بیڑی اپنے پاؤں میں نہ ڈالی۔ نواب وزیرالدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک نے بلا بھیجا مگر غیور مومن وہاں بھی نہ گیا۔

مومن خاں نے اپنی شاعری کو حصولِ مال و جاہ کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ اُمرا کی خوشامد میں قصائد نہیں لکھے۔ اور نہ اُمیدِ صلہ میں غالب و ذوق کی طرح نظمیں لکھیں۔ ایک مرتبہ قدردانِ علم و سخن راجہ اجیت سنگھ مومن سے ملکر بہت خوش ہوا اور جوشِ محبت و عقیدت میں ایک آراستہ ہتھنی اُن کی نذر کی۔ مومن نے بھی اظہارِ امتنان و تشکر میں ایک قصیدہ صرف اس موقع کے لئے لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری
کثرتِ دود سے سیاہ شعلۂ شمعِ خاوری

مومن خاں کو کسی سے ذاتی بغض و عناد نہ تھا۔ انھوں نے کسی کی تذلیل کے لئے کوئی نظم نہیں لکھی۔ ہجو گوئی سے انکو طبعاً نفرت تھی فرماتے ہیں:

ہجو گوئی نہیں ہمارا کام ایسی باتوں سے خامشی بہتر

لیکن تعلّی اور خودستائی کا مادہ مومن میں بہت تھا وہ اپنے زعم قابلیت میں کسی کو اپنا مدّ مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اپنے معاصرین کو شاعر ہی نہیں مانتے تھے۔ اگرچہ کسی خاص شخص پر کوئی بیجا حملہ نہیں کیا اکثر لوگوں کو "سگانِ جیفہ خوار" لکھا کرتے۔ فرماتے ہیں: ؂

ہیں یہ سگانِ جیفہ خوار مغز سخن سے بے نصیب
کافر استخواں پرست۔ طرفہ سگی و کافری

مومن مشکل سے کسی کو سخنداں سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں: ؂

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ ہیں کچھ نہیں کہتا

مومن کے چند مشہور شاگرد

(۱) نواب مصطفےٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد۔ انکے یہ دو اشعار بہت مشہور ہیں :—

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

(۲) میر حسین تسکین دہلوی۔ ان کا شمار مومن کے شاگردانِ رشید میں ہے۔ انکا یہ شعر زبان زد عام ہے :—

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

(۳) نواب محمد اصغر علی نسیم دہلوی ابن نواب آغا علی خاں تاچار ان کا کلام بہت دل پسند اور شیریں ہے کہتے ہیں :—

سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

ے

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

(۴) حکیم مولا بخش بیرٹھی فرماتے ہیں ے

فصل بہار اپنی گزری ہے یوں ہی ساری
یاں آشیاں بنایا واں آشیاں بنایا

دیکھو ستم ظریفی دودِ دل و جگر کی اک آسماں کو چھونکا اک آسماں بنایا

(۵) قاضی نجم الدین برق سکندر آبادی ابن قاضی سراج الدین۔
کہتے ہیں :-

اے برقِ تیز دستیٔ وحشت کو دیکھنا دامن کو سیتے سیتے گریباں نکل گیا

ے

بزم اغیار ہے ڈر ہے نہ خفا تو ہو جائے ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہُو ہو جائے

(۶) میر غلام علی خاں وحشت ابن میر فرحت اللہ خاں مرادآبادی۔
کیا خوب کہا ہے :-

کیوں نہ باطل سمجھوں اقرارِ وفا سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے

(۷) پیر عظمت اللہ عظمت ولد پیر قدرت اللہ جذب دہلوی۔
کہتے ہیں :-

نامِ عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ کیا ہی اس نام سے گھبراتا ہوں

(۸) خیر الدین یاس دہلوی۔ کیا خوب طرز بیان ہے۔ کہتے ہیں۔

شربتِ وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مرجانے دو

خصوصیات کلام مومن (۱) ذوق و غالب ممتاز زمانہ شعرا میں تھے۔ اُن کی قابلیت کا شہرہ شہروں شہروں پھیلا ہوا تھا۔ مگر اُن کے کلام میں جا بجا وہ رکاکت پائی جاتی ہے جو حرص و آز

اور ہوا و ہوس کا لازمی نتیجہ ہے۔ مومن جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں خود دار اور قانع طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے اُن کے کلام میں وہ رنگ نہیں پایا جاتا جو خوئے سوال کا نتیجہ کہا جاتا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو مومن کو ذوق و غالب اور اپنے دوسرے ہمعصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

(۲) مومن کی غزل حقیقت میں غزل ہے۔ اس میں "مسائل تصوف کا بیان" نہیں۔ اس لئے کہ غالب کی طرح اُن کو "ولی رہنا" بننے سے احتراز تھا۔ وہ عشق مجازی کے "پردہ ہفت رنگ" میں عشق حقیقی کو چھپانا تو ہیں حسن مطلق خیال کرتے تھے۔

(۳) مومن کا طریقۂ بیان کچھ ایسا دل پسند اور مرغوب خاطر ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی جب وہ بیان کرتا ہے تو وہ بات انوکھی اور لذت بخش معلوم ہونے لگتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ناصح کہاں تلک تری باتیں اُٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

ے

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

(۴) اُن مخفی جذبات و احساسات قلبی کی طرف جو سطح بیں نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں محض بندشِ الفاظ اور اسلوب ادا سے اشارہ کر دینا

مومن کی امتیازی خصوصیت ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں۔

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اُسکا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

(۵) مومن کا اندازِ تخاطب و تکلم نرالا ہے وہ اس طریقہ سے اپنا مدعائے دل کہتے ہیں اور اپنے مخاطب کو کچھ اس لہجے سے دوستانہ صلاح دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔ ؎

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

دوسری جگہ کہتے ہیں۔ ؎

خواہشِ مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

(۶) مومن کے کلام کی یہ بھی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ اس میں طنزیہ اشعار کثرت سے ملینگے۔ یہ خصوصیت دوسرے شعرائے اردو کے کلام میں گویا مفقود ہے۔ طنز کی مثال ملاحظہ ہو۔

ہے یہ بندہ ہی بیوفا صاحب
غیر اور تم بھلے۔ بھلا صاحب

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

آپ مجھ سے نباہینگے۔ سچ ہے   باوفا حسن و بیوفا ہے عشق

(۷) وہ شعرا جو اُردو اشعار میں فارسی ترکیبیں استعمال کیا کرتے ہیں اُن کے کلام میں اکثر اُن فارسی ترکیبوں کے نامناسب استعمال سے بجائے حُسن وخوبی کے اغلاق وثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فارسی ترکیبیں استعمال کرتا ہے تو اشعار میں ایک دل پسند لطافت پیدا ہو جاتی ہے اور مفہوم شعر نہایت وسیع و رفیع ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

اہل بازارِ محبت کا بھی سودا کیا ہے
عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں

؎

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

؎

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح
طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو

(۸) جو خاص بات خلاف روشِ زمانہ مومن کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کا محبوب ومطلوب صنفِ نازک کا کوئی حسین فرد ہے غیر فطری محبت کا بیان اُن کے کلام میں بھی ہے مگر خال خال۔ مثلاً کہتے ہیں:- ؎

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر فیض

؎

گیسو و خال و خط اپنا دین و ایماں لے گئے
دل کے دو اک کافروں نے کر دیا ہندو ہمیں

؎

سبزۂ پشت لب یار دلاتے ہیں یاد　　گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں

(۹) مومن اکثر موقعوں پر مضمون کے بعض اجزا ایسے چھوڑ جاتے ہیں جن کی طرف سامع کا ذہن خود بخود پہنچ جاتا ہے اور اُس سے کلام میں ایک خاص حُسن اور مزا آجاتا ہے۔ جیسے :۔

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُنکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مومن کی عدم شہرت کے ظاہری اسباب

(۱) مومن نے شاعری میں کسی کی تقلید نہ کی بلکہ عام روش سے بالکل الگ اپنا راستہ بنایا جو عام طبائع کو نامرغوب تھا۔ شاعری کی پرانی شاہراہ سے الگ چلنے والا دلیر اور جدت پسند مومن جابجا ٹھوکریں بھی کھاتا جاتا ہے مگر اسپر بھی اپنی طبیعت سے نکالے ہوئے نئے رستے کو نہیں چھوڑتا اور رندانہ بے پروائی کے ساتھ اکڑتا ہوا چلا ہی جاتا ہے۔ کہتا ہے۔ ؎

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہوگیا

دوسری جگہ کہتا ہے۔ ؎

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب لکھتا ہے
کہاں ہے لیک مضمون بندِ معنی یاب اپنا سا

(۲) مومن کی بیجا تعلّی اور خود پرستی نے اسکو مشہور و مقبول نہیں ہونے دیا۔ وہ کسی کو اپنا مدمقابل نہیں سمجھتا۔ اپنے ہمعصر شاعروں پر آوازے کسا کرتا۔ اور انکو نامناسب الفاظ سے یاد کیا کرتا۔ کہتا ہے۔ ؎

مومن تجھے تو وہم ہے مؤمن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا

پھر کہتا ہے۔ ؎

شعر تر وہ ہیں ترے مومن۔ کہ ہنگام جواب
خوف سے منہ اور زبان ہر سخنور خشک ہے

(۳) مومن کی عدم مقبولیت کی تیسری وجہ غالباً انکا مذہبی تعصب تھا۔ اُن کے اعتقادات اور لوگوں کے اعتقادات سے مختلف تھے۔ مگر یہ کوئی بیجا بات نہیں۔ مومن کا ظلم تو یہ تھا کہ وہ شیعوں اور حنفیوں کو برا بھلا کہتے اور صرف اپنے مذہب کو سراہتے۔ ان کے کلیات میں کثرت سے ایسے اشعار ملیں گے جن میں حنفیوں اور شیعوں پر چوٹیں کی گئیں ہیں بھلا ایسا آدمی اُس دور مذہبی میں کیونکر مشہور ہو سکتا تھا۔

عیوب کلام مومن

(۱) ناسخ کے تتبع کی وجہ سے کلام میں جابجا خشکی سی آگئی ہے۔ اُن کے اشعار میں آورد کا پتہ چلتا ہے اور جذبات مفقود ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ ؎

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبو یا ہی مجھے ‏ ‏ چشم کا سوراخ کو کشتی کا روزن ہو گیا

دیگر

بسکہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی جاڑا ساون ہوگیا

(۲) صحت الفاظ کا اکثر خیال نہیں کرتے۔ لکھتے ہیں ؎

محب حسین کا اور دل رکھے شِمر کا سا

صحیح لفظ بسکون میم ہے نہ کہ بفتح میم۔ جیسا کہ مومن نے استعمال کیا ہے۔

(۳) مومن کے کلام میں عیب تعقید بہت ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

لکھ کے بدمستیِ غم تاکہ وہ میکش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

دیگر

وہ گر دن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی

(۴) دور از قیاس تلمیحات۔ غیر معروف حکایات اور معمولی واقعات
کی طرف اشارات سے اشعار کو گورکھ دھندا بنا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

تیغ کچھ دشنۂ شیریں سے نہیں ہے غیرت ؎
اپنے ہی خوں سے مگر دامنِ فرہاد بھرے

؎

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے   مومن غضب ہے لذت آتش فزا داغ

(۵) اکثر نامانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے شعر ثقیل اور نامطبوع ہو جاتا ہے۔ مثلاً۔ اس طرح کے الفاظ :۔ وجہ عطاس۔ عز و جاہ۔ خجلت آب پیکری۔ شاموس۔ مثلث عامل۔ املاؤس۔

(۶) اشعار میں اکثر ایسے جملے حذف کر دیتے ہیں کہ وہاں تک سامع کی رسائی خیال بمشکل ہوتی ہے۔ اس سے شعر میں ایک ثقل اور بے مزگی سی پیدا ہو جاتی ہے اور شعر ایک معمہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً یہ شعر۔ ؎

بے جُرم پائمال عدو کو کیا کیا — مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

اس شعر میں جملہ کا جملہ محذوف ہے۔ اسی طرح کا دوسرا شعر ہے اور اس میں بھی محذوفات ہیں گو پہلے شعر سے کم ؎

جیبِ درست لائقِ لطف و کرم نہیں — ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

مومن کا مذہبی عقیدہ

مومن اہل حدیث تھے۔ اور نہایت ہی راسخ الاعتقاد اہل حدیث تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ متعصب اہل حدیث تھے۔ غیر اہل حدیث کو بے راہ روی کا مرتکب سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام — گو رائے صواب ہو نہیں مجھکو کام
تقلید کی ٹھہری تو ہو نگا شیعہ — کس واسطے چھوڑ دیجئے افضل تر امام

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

ارباب حدیث کا میں فرماں بر ہوں — تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایت ائمہ نہ قیاس — یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

ترغیب جہاد جو وہابیوں کا مسلک رہا ہے اُن کا بھی مدعائے دل تھا۔ فرماتے ہیں۔

مومن تمہیں کچھ بھی ہو جو پاسِ ایماں ہے معرکۂ جہاد چل دیجئے واں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز وہ جان جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

گو یہ اہلِ حدیث تھے مگر اہلِ بیت کی محبت و عزت اپنا ایمان سمجھتے تھے۔ شہادت امام حسین علیہ السلام پر آنسو بہاتے ہیں اور مصائب آلِ نبی کا ماتم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کیا سخت تھے ابن سعد اور ابن زیاد اولادِ نبی پہ ہے ستم یہ بیداد
فریاد امام کی کسی نے نہ سنی ملا اللہ سنے مقلدوں کی فریاد

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

روتا ہوں حسین ابن علی کے غم میں ہے عیشِ جناں کی آرزو ماتم میں
حیف آلِ نبی میں کوئی باقی نہ رہا لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

قصائدِ مومن

مومن کے معاصرین میں سب سے مشہور قصیدہ نگار ذوقؔ تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ جو زورِ تخیل اور شوکت الفاظ ذوقؔ کے قصائد میں ہے وہ اس دور کے اور شاعروں میں گویا نہیں ہے۔ قصائدِ ذوقؔ کی پختگی اور روانی کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ لیکن مومنؔ کے قصائد بھی شاعرانہ تخیل اور علمی لیاقت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہیں۔ مومنؔ کا گریہ قصائد میں بلاشبہ کمزور ہوتا ہے مگر ان کی تشبیب جو قصیدہ کی

جان ہے نہایت ہی پیاری اور انوکھی ہوا کرتی ہے۔ ان کے کلام میں مذہب اور عقائد کی جھلک صاف نمایاں رہتی ہے اور جا بجا تعریفیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے قصائد سے ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ فنون طب و نجوم و رمل سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں ان علوم کی اصطلاحات سے مناسب فائدہ اٹھا کر کلام کو پُر شوکت بنا دیتے ہیں۔ زورِ الفاظ۔ بلندیِ تخیل۔ علوئے مضامین۔ ندرتِ تشبیہ اگر محاسنِ قصیدہ ہیں تو مومن کے قصائد بیشک دوسروں کے قصائد سے کسی طرح اور کسی لحاظ سے کم نہیں۔

رباعیاتِ مومن

مومن نے تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے قصائد میں۔ مثنویوں میں رباعیات میں ہر جگہ اپنی جولانیِ طبع کے جوہر دکھلائے ہیں۔ قصائد بزرگوں کی شان میں لکھے۔ مثنویوں میں اپنی عاشقانہ زندگی کی واردات لطیف کو بیان کیا اور رباعیوں میں مضامین عشقیہ کے علاوہ پند و نصائح لکھے اور اپنے عقائد پر روشنی ڈالی۔

رباعیوں کا رواج عام طور سے شعراء میں نہ تھا اس لئے اس صنفِ شاعری میں قدما نے کافی ترقی نہیں کی۔ مومن نے بھی رباعیاں لکھی ہیں مگر ان کا پایہ کچھ ایسا بلند نہیں۔

رباعیات مومن

ہو حق وفا ادا قضا نے چاہا
کعبہ کا سفر بخت رسا نے چاہا
ہے ترک علاج ان بتوں کا مومن
دیکھو جا ملیں گے گر خدا نے چاہا

دیگر

گر جور و ستم پہ طبع آئی اچھا
ہے شوق محبت آزمائی اچھا
ہاں روز جزا کی آس ہے روز فزوں
کر لیجے جو ہو سکے برائی اچھا

دیگر

محروم حصول مدعا نے چاہا
حسرت زدہ بخت نارسا نے چاہا
مومن اس بت نے گر نہ چاہا نہ سہی
ہم خوش ہیں اسی میں جو خدا نے چاہا

دیگر

جام آپ نے دمبدم دیئے ہیں کیا کیا
خونابہ درد و غم پیے ہیں کیا کیا
کچھ کشمکش صبر و جفا کی حد بھی
انصاف کرو ستم کئے ہیں کیا کیا

دیگر

کیا ظلم ہے اے نالۂ بیباک کیا
اس شعلہ مزاج کو غضبناک کیا
افسوس وہ لعل لب نہیں گرم سخن
اس آتش خاموش نے بھی خاک کیا

دیگر

اندیشۂ پایانِ جفا کرنا تھا		نادان ذرا پاسِ وفا کرنا تھا
غیروں کے لئے ہاتھ سے کھویا ہمکو		کیا تم نے کیا اور آہ کیا کرنا تھا

دیگر

روشن ہے جو ہے آلِ عبا کا پایا		ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایا
قندیل ہے عرش کی جو ہر جانِ شہید		کیا ہوئیگا شاہِ شہدا کا پایا

دیگر

ہے عہدِ شباب زندگانی کا مزا		پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا		باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

دیگر

اے خواجۂ خواجگان دمِ خشم و عتاب		کیا تاب کہ دے سکے کوئی تجکو جواب
گر جُرم کا میرے وزن کرنا ٹھہرا		انصاف سے کر اپنے کرم کا بھی حساب

دیگر

مومن نہیں زہدِ بے ریا سے اُمید		کیا شیخ ہوں کسی دعا سے اُمید
جب رحم محبت میں صنم نے نہ کیا		کیا عشقِ حقیقی میں خدا سے اُمید

دیگر

کیا ڈر ہے اگر نیند نہ آئی یک چند		بیداری ہر روزہ سے میں ہوں خورسند
معلوم ہوا ابھی خدا کو میرے		منظور نہیں کہ میری آنکھیں ہوں بند

دیگر

امواجِ فرات دیکھ روئے شبیر
حسرت سے یہ خونابہ فشاں کی تقریر
ہیں لبپہ ہی اُمتی لہو کے پیاسے
کیا تشنگیٔ آلِ نبی کی تدبیر

دیگر

مومن ہے اگرچہ سب اُسی کا یہ ظہور
توحیدِ وجودی کا نہ کرنا مذکور
یعنی کہ بنا سکے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

دیگر

پروانے کو کس لئے جلایا اے شمع
بے جرم کو خاک میں ملایا اے شمع
سر کٹنے سے بھی ذرا شرارت نہ گئی
تو نے تو غضب ہی سر اٹھایا اے شمع

دیگر

مومن تب و تاب غم میں رونے سے حصول
پھل پا چکے مفت جان کھونے سے حصول
یہ تخم کہیں ہوا ہے سرسبز اب تک
اس دانۂ سوختہ کے بونے سے حصول

دیگر

مصروفِ روائے کار تھے ہر جا ہم
کام آئے ہر ایک شخص کے کیا کیا ہم
پر جس کے ہوئے نہ جانا اُس نے اپنا
دنیا میں مکانِ وقف تھے گویا ہم

دیگر

تابندگیٔ عذار سے فرقِ امام
تھا جلوہ نما سناں پہ جوں ماہِ تمام
بہ حجت ساطع کراماتِ حسین
افزوں ہوئی تیرہ روزیٔ لشکرِ شام

دیگر

آرام و سکون کہاں ہے بیتابی میں
صد برق تپاں نہاں ہے بیتابی میں
ایک آن بھی دلکو چین لینے نہ دیا
تیری ہی سی شوخیاں ہیں بیتابی میں

دیگر

کیا خوب عذاب میں گرفتار ہوں میں
جاں دادۂ لطفِ رشکِ اغیار ہوں میں
جینے سے مرے وہ دشمنی سے خوش ہے
جانے ہے کہ زندگی سے بیزار ہوں میں

دیگر

کیا طولِ امل سے جان کو شاد کروں
حسرت سے دلِ خراب آباد کروں
بیزار ہوا ہوں اس قدر دنیا سے
گر ہاتھ لگے تو خوب برباد کروں

دیگر

الفت میں بھی مجکو دکھ دئے جاتے ہو
مذکور ندامت کا کئے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
یوں بھی تو وہی نام لئے جاتے ہو

دیگر

مومن یہ اثر سیاہ مستی کا نہ ہو
اندیشہ کبھی بلند و پستی کا نہ ہو
توحیدِ وجودی میں جو ہے کیفیت
ڈرتا ہوں کہ حیلہ خود پرستی کا نہ ہو

دیگر

جو کھائے یہ داغ شعلہ زا خاک جئے
جو زیست سے جلتا ہو بھلا خاک جئے
ہوتے جاتے ہیں خاک اجزائے وجود
یک چند جو یوں جئے تو کیا خاک جئے

دیگر

مومن خلقت لباس پر مرق ہے   سرپاؤں پہ دامن کی طرح وہرق ہے
عمامہ ہے نے عصا نہ جبہ حضرت   پیروں کی یہی وضع ہوا کرتی ہے

دیگر

مومن لازم ہے وضع مرغوب بنے   جو رنگ ہو آدمی خوش اسلوب بنے
کیا خرقہ و عمامہ ہے اللہ اللہ   جب شکل بگڑ گئی تو تم خوب بنے

دیگر

مظہر سے بری ہے کبریائی اسکی   آئینہ گدا از خود نمائی اسکی
وہ بندۂ نفس جو انا اللہ کہے   زیبندہ اسی کو ہے خدائی اسکی

غزلیات مومن

پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موئے پہ خلل گیا
جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا

اُس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی؟
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

بتخانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

غزل

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا — حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا
اُن سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں ہوگا — میں تو میں غیر بھی دل دیکے پشیماں ہوگا

خواہشِ مرگ ہو اے تمنا نہ ستانا ۔ ورنہ ۔۔۔ دل میں کچھ تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
ایسی لذت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے ۔۔۔ رہ گیا سینہ میں اُس کا کوئی پیکاں ہوگا

اپنے انداز کی اک اور غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

دیگر

آخر امید ہی سے ۔ چارۂ حرماں ہوگا ۔۔۔ مرگ کی آس پہ ۔ جینا شبِ ہجراں ہوگا
درد ہے ۔ جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری ۔۔۔ چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا ۔۔۔ دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا
نسبتِ عیش سے ہوں غنچے میں گریاں یعنی ۔۔۔ ہے یہ رونا کہ دہنِ گور کا خنداں ہوگا

دوستی اُس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

غزل

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا ۔۔۔ دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
غیر عیادت سے بُرا مانتے ۔۔۔ قتل کیا آن کے اچھا کیا
زندگیٔ ہجر بھی اک موت تھی ۔۔۔ مرگ نے کیا کارِ مسیحا کیا
رحم فلک اور مرے حال پر ۔۔۔ تو نے کرم اے ستم آرا کیا

۳۴

دشمنِ مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے میرے نام نے یہ کیا کیا

غزل

موئے نہ عشق میں جب تک ۔ وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر ۔ مجھے بزم سے اُٹھانے پر
شبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے ۔ کہ میں
حریفِ کشمکشِ نالۂ و فغاں نہ ہوا

ہے شرط ہم پہ عنایت ہیں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

اُمیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پہ مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

غزل

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ناصح یہ گلا کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو — یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم — بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

غزل

غیر آکر قریب حسنا نہ رہا — شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری — تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لئے کہ دنیا میں — نہ رہا میں مرا فسانہ رہا
غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک — شور الفت میں بھی مزا نہ رہا
تو فلک مرگ ہم سے سب غافل — اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

مومن اس بت کے نیم ناز سے ہیں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

غزل

ہماری جان تجھ بن شب دلِ ناکام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا
عبث الفت بڑھی تمکو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھکو دیکھکر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا
سحر سے شام تک تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھکو چین دیتا تھا نہ خود آرام لیتا تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
اگر مومن ہی ہو مومن وہ ملے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا

غزل

اس روانی سے ذرا خنجرِ بیداد رہا　　بارے اک دم اثرِ نالۂ و فریاد رہا
نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیتِ عاشق حیف　　خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا
یاد سہواً اسے اے غیر ہے نسیاں عمداً　　یاد رکھ بھول گیا جسکو وہی یاد رہا
چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آساں نہیں　　ہیں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا
گہ غمِ حور گہے عشقِ بتاں اے مومن
ہیں سدا سوختۂ حسنِ خداداد رہا

غزل

به عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا۔ قصور اپنا نکل آیا
ہمارے خونبہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعدِ انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سُنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا
خدنگِ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا
بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤنگا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

غزل

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا — میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا — دل جو بتوں سے تیری کبھی کامیاب تھا
ھوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگہائے شوق — جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا
کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث — ناصح سے مجکو آج تلک اجتناب تھا
روزِ جزا خدا بتِ جلّاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحقِ مومن صواب تھا

غزل

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا   غیر بیجائے ہے پیام مرا
بے اثر ہے فغانِ خوں آلود   کیوں نہ ہووے خراب کام مرا
رتبہ افتادگی کا دیکھو۔ ہے   عرش سے بھی پرے مقام مرا
اُس لبِ لعل کی شکایت ہے   کیونکہ رنگیں نہ ہو کلام مرا
تو نے رسوا کیا مجھے ابتک   کوئی بھی جانتا تھا نام مرا
زانوئے بت پہ جان دی۔ دیکھا ق   مومن انجام و اختتام مرا
بندگی کام آ رہی آخر   میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

غزل

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا   میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں   اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
کشتہ ہوں اس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح   کرنا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا
میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو   بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

غزل

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا ۔ وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا
ٹھنڈا ہے گرم جوشیٔ افسردگی سے جی ۔ کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا
دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی ۔ صبر و تحملِ قلقِ جاں نہیں رہا
بیکاریٔ امید سے فرصت ہے رات دن ۔ وہ کار و بارِ حسرت و حرماں نہیں رہا

مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

غزل

اثر اسکو ذرا نہیں ہوتا ۔ رنج راحت فزا نہیں ہوتا
کس کو ہے ذوقِ تلخ کامی لیک ۔ جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ۔ ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیونکر ۔ ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
دامن اسکا جو ہے دراز تو ہو ۔ دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں ۔ سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

غزل

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا — مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا
اس تلخیٔ حسرت پر کیا چاشنیٔ الفت — کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا
ہے بیخودی دائم کیا شکوہ تغافل کا — جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیونکہ مرا ہوتا
اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل — گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

ہم بندگیٔ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جا پہ اگر مومنؔ موجود خدا ہوتا

غزل

ہم دام محبت سے اِدھر چھوٹے اُدھر بند — پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند
دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے — جادو کو کیا نرگس جادو نے نظر بند
یہ مشت پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو — تو ساتھ کسی کے بھیجے صیاد نہ کر بند
شاید کہیں تو نے بھی اسے خواب میں دیکھا — آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

کیا حضرت مومنؔ کہیں کعبہ کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لئے کیوں آج ہے در بند

غزل

یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہِ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پر آ گیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لئے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے زنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

غزل

بے صبر کو کہاں تپِ داغِ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجرِ بارور سے فیض

زاہد نگاہ بھر کے وہ بیدرد دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجرِ بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے اُمید کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی ہیں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض

شب بھر کیا ہے مبدءِ فیاض کا گلہ
تو بھی عیاں ہوا نہ دعائے سحر سے فیض

تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

کیونکر نہ غم ہو خلق کو مومن کے مرگ کا
تھا سب کو اُس کی ذاتِ سراپا ہنر سے فیض

غزل

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس بحثِ صحیح کی تکرار ہے غلط

کرتے ہیں جھ سے دعوئ الفت وہ کیا کریں
کیونکر کہیں۔ مقولۂ اغیار ہے غلط

بہ گرمِ جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیرِ نالہائے شرر بار ہے غلط

تھا ربطِ غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخ بیوفا تو وفادار ہے غلط

ہے حرفِ کامیابیٔ دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہمِ غلط کار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اُس بتِ کافر کے دور میں
لاف و گزافِ مومنِ دیندار ہے غلط

غزل

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغانِ شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبانِ شمع

دل گرمیٔ فریب پہ بھی ہیں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع

ہے تار گر بہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدا زیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبانِ شمع

اک اور پڑھ وہ مومنؔ شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کی رشک سے حاسد لبانِ شمع

غزل

محفل فروز تھی تب و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع
اے سوزِ گریہ آگے ترے آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع
صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہوگئی
اُس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع
حیرت فزا ہے حُسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشکِ روانِ شمع
لائیں نہ تاب حرف بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومنؔ زبانِ شمع

غزل

گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دل نشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ

کیا دُکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

کیا کہئے گرمیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوّالہ جائے داغ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبسکہ میں
خوکردہ تھا یہ تاب وتبِ شعلہ ہائے داغ

تاروں کے بدلے گن کے شبِ تارکاٹ دی
ایّامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

جلتا ہوں اہلِ نار کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے آتشِ لذت فزائے داغ

غزل

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

سپے ہم ہے حالتِ جانکنی غرض اب تو جان پر آ بنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیونکہ ہو زندگی
کوئی کیا جیئے جو ہوا ایکسا شب و روز صبح و مسا قلق

نہیں چاہ میری اگر انھیں نہیں راہ دل میں تو کس لئے
مجھے روتے دیکھ کے رو دئے مرا حال سن کے ہوا قلق

یہی دیں اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثالِ قبلہ نما قلق

غزل

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق — سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق
وصل میں احتمال شادیِ مرگ — چارہ گر درد بے دوا ہے عشق
کس ملاحت سرشت کو چاہا — تلخ کامی پہ با مزا ہے عشق
ہمکو ترجیح تم پہ ہے یعنی — دلربا حُسن و جاں رُبا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہینگے سچ ہے — باوفا حُسن بے وفا ہے عشق

قیس و فرہاد و وامق و مومن
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

غزل

امتحاں کے لئے جفا کب تک — التفاتِ ستم نما کب تک
مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم — صبر آخر کرے وفا کب تک
دیکھئے خاک میں ملاتی ہے — نگہِ چشم سرمہ سا کب تک

نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے — جوشِ لبیک و مرحبا کب تک
ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں — غفلتِ جرأت آزما کب تک

پھر چلے اب تو اس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

غزل

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ — ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ
وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے — کدھر جاؤں ادھر پانی اُدھر آگ
جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو — ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ
حصولِ سوزِ دل جز داغ کیا ہو — کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ

غزل

سرمہ ہیں اُس چشمِ جادو فن میں ہم — خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم
ناتواں سمجھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار — خود اُلجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال — جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم
جوشِ وحشت نے اُٹھایا لاش کو — اپنے پاؤں سے گئے مدفن میں ہم

توڑنا مومن نہ پیمانِ الست
ہیں مسلم عاشقی کے فن میں ہم

غزل

اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم — یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم
خنجر تو نہ توڑ سخت جانی — پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
دم دیتے تو ہو پہ یہ سمجھ لو — دشمن کی قسم دلائیں گے ہم
گر ہے دلِ غیر نقش تسخیر — تو تیرے لئے جلائیں گے ہم
برباد نہ جائے گی کدورت — کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم

بتخانۂ چیں ہو گو ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

غزل

لاش پر آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
مدعا یہ ہے کہ غیرت سے میں سم کھا جاؤں
اس لئے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں

اہلِ بازارِ محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں
کعبے کا دھیان نہ ہو حضرتِ مومن کو کہ جاں
حسرتوں سے پسِ دیوارِ صنم دیتے ہیں

غزل

ہے جلوہ ریز نورِ نظر گردِ راہ میں — آنکھیں ہیں کس کی فرشِ تری جلوہ گاہ میں
کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل — ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں
جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا — وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا — جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں
مومن کو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں

غزل

تا نہ پڑے کہیں خلل آپ کے خوابِ ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گلعذار میں
خونِ دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں

کیونکہ نہ آدھی رات جاگے وہ جسکا دھیان ہو
آہوئے نیمخواب ہیں نرگسِ نیم باز میں

بِن ترے بزم سور میں ہیں یہ قباحتیں کہ ہے
نفخۂ صور کا اثر نغمۂ نے نواز میں

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں

غزل

جیب درست لائقِ لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اِتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقش پا نہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اُٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں

مومن سوئے حرم ہے تگاپوئے فلک کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

غزل

کون کہتا ہے دمِ عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں

شمع پر کچھ نہیں موقوف کر ساز ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

اُس ستمگر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب
کیسے کچے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں

اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہنِ زخم گلو بھرتے ہیں

پی رہے ہے حضرتِ مومن نے جبھی منھ بھر کے
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں

غزل

مانے نہ مانے منع تپشہائے دل کروں
ہیں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں

سو طرح کا زیاں ہے رہنے میں اس کے گر
دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں

جاں دیدوں ہے اُس آفتِ دل سے معاملہ
بس کب تک انتظارِ تقاضائے دل کروں

کیونکر پھرے دل اس سے کہیں قرض و عاریت
ناصح دیا نہ تھا کہ ہیں دعوائے دل کروں

اُس بُت کو ترکِ دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیونکر نہ ہیں شکایتِ اغوائے دل کروں

غزل

سب جفا جو اُس ستمگر کے سوا کہنے کو ہیں
جن کو چرخ و مرگ کہتے ہیں سنا کہنے کو ہیں

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

ترجمانِ التماسِ شوق ہے تغیر رنگ
جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

ہو گئے نامِ بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

غزل

ہر دم رہین کشمکشِ دستِ یار ہیں — چلون کے بند کسلئے گریباں کے تار ہیں
ہجو ملیح غیر سمجھ کر مزے اُٹھائے — خوش حسرت بے نمک سے کبھی ہم دلفگار ہیں
شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ — لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں
کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا — تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگِ جیفہ خوار ہیں

غزل

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں

فکر مآل سے مے و شاہد رہے عزیز
پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

مومن یہ عالم اس صنم جانفزا کا ہے
دل لگ گیا جہانِ سراسر خراب میں

غزل

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

ناصح ہے عیب جو دل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخنِ ناصواب میں

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اُس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

غزل

سرمگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو — خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو
شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو — گرم ہو لسوز مرے مجکو جلاتے کیوں ہو
گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو — اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو
کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے — سر پہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی میں گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ کہتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

غزل

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو — عذر کچھ چاہیئے ستانے کو
سنگ در سے ترے نکالی آگ — ہمنے دشمن کا گھر جلانے کو
برق کا آسمان پر ہے دماغ — پھونک کر میرے آشیانے کو
سنکے وصف اسکا مر گیا ہمدم — خوب آیا تھا غم اٹھانے کو
چل کے کعبہ میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

غزل

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ — اے شب ہجر تیرا کالا منہ
شب غم کا بیان کیا کیجے — ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ
جب کہا یار سے دکھا صورت — ہنس کے بولا کہ دیکھ اپنا منہ
پھر گئی آنکھ مثل قبلہ نما — جس طرف اس صنم نے پھیرا منہ
سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کے کیا منہ

غزل

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ

بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

گلبانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خون ہے واں کی ہوا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

اللہ رے گمرہی بت و بتخانہ چھوڑ کر
مومنؔ چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

غزل

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے

کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

نام بدبختیِ عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے

ٹھہر جا جوشِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دمِ دلِ زار آ جائے

حسنِ انجام کا مومنؔ مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

غزل

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہونگے
نیم بسمل کئی ہونگے کئی بیجاں ہونگے

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بنجائینگے تصویر جو حیراں ہونگے

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے

منّت حضرتِ عیسیٰ نہ اُٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہونگے

تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہونگے شررِ آتشِ سوزاں ہونگے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہونگے

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

غزل

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمھیں دیکھکر نہ ہو جائے

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجکو اپنی نظر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مری گور پر نہ ہو جائے

اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

غزل

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو اُمیدِ انفصال تو ہے

شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے
عبث ترقیِ فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئیگا کیا اس سے بے مثال تو ہے

غزل

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے — دوستی تمکو نہیں اغیار سے
مجھ سے وہ چھپتے پھریں اسکے سوا — اور حاصل عشق کے آزار سے
ذکر اشک خنجر میں رنگینیاں — بوئے خوں آئی تری گفتار سے
کر علاجِ وحشتِ دل چارہ گر — لا دے اک جنگل مجھے بازار سے
گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی
ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے

غزل

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے
حالِ دل کیونکر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

جاں نہ کھا وصلِ عدو سچ ہی سہی پھر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہیئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے

خاک میں ملجائے یارب بے کسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

دیکھیے انجام کیا ہو مومنِ صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

غزل

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ انکو بھی رلا کے اٹھے

گر نہ ہو دل میں خیالِ نگہِ خواب آلود
درد کیا کیا اثرِ خفتہ جگا کے اٹھے

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

اف رے گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دلِ زار تمنا کے اٹھے

غزل

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے
نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیال حسرتِ مرغانِ ہم قفس گزرے
وفائے غیرتِ رشکِ جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے
یہ نیم جاں غمِ ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے درمیاں میں اسے مرگ داورس گزرے
کہاں وہ ربطِ بتاں اب کہ اسکو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

غزل

کہاں تک دم بخود رہیئے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجے

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزمِ غیر میں ہر سو
نہیں ہے اور سمجھ لیں آپ جو چاہے گماں کیجے
رکھے سے ہاتھ سینے پر بھلا کب مانتا دل ہے
نہ جب تک رو دیئے دو چار آہِ خونچکاں کیجے
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیونکر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے
عذابِ ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اے مومن
خدا کے واسطے ذکرِ ستمہائے بتاں کیجے

غزل

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی
کتنی ہی طاقت آزمائی کی
دامِ عاشق ہے دل ہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
گھر تو اُس ماہ وش کا دور نہ تھا
ایک طالع نے نارسائی کی
مومن آؤ تمھیں بھی دکھلا دوں
سیرِ بت خانہ میں خدائی کی

غزل

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنانِ صدا گئے

اے آب اشک آتش عنصر ہی دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفسِ شعلہ زا گئے

تابندہ و جوان تو بختِ رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

غزل

دل میں اُس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی

کون ایسا کہ اُس سے پوچھے کیوں
پرسشِ حالِ داد خواہ نہ کی

تاب کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

مومن اس ذہن بے خطا پر حیف
فکرِ آمرزشِ گناہ نہ کی

غزل

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے

نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل
کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے

بقدر جوش تڑپنے کو تھا وے پس قتل
وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے

اُمید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

پس شکستن خم زجر محتسب معقول
گناہگار نے سمجھا گناہگار مجھے

ثواب ترک صنم سچ سہی وے مومن
یہ کیا سبب کہ ستاتے ہو بار بار مجھے

غزل

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
اُمید یکشبہ ہے یاسِ جاوداں کے لئے

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لئے

کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امنِ قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اسکے امتحاں کے لئے

رواں فزائی سحر حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لئے

قصیدہ در تعریف خداوند ذوالفقار

کٹتی ہے میری تیغ زباں سے زبانِ تیغ
کیونکر سخن فروش ہوں سوداگرانِ تیغ
میری نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ہے کہ دم نہ رہے درمیانِ تیغ
فردوسی ایک خارِ جناں بیان کرتا
گلریز میرے دم سے ہوئی داستانِ تیغ
بہ دل خراشیاں مرے اشعارِ شوخ کی
سینے پہ منکروں کے ہیں لاکھوں نشانِ تیغ
خجلت سے آب و تابِ سخن کے ہے آب آب
کیونکر چھپے چھپائے سے شرمِ نہانِ تیغ
ہووے نہ میری حجّت قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعویٰ برشِ زبانِ تیغ
کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمانِ تیغ

گر شوق زخم عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہماں نہ کھائے بجز استخوانِ تیغ
پڑھتا ہوں اور مطلعِ رنگیں کہ حسن جسے
سرگرم آفریں ہو لبِ خونچکانِ تیغ

قصیدہ در تعریف خداوند ذوالفقار

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسانِ تیغ
میری زباں سے آگے چلے کیا زبانِ تیغ
پھر ہوش آ گیا دمِ خونناب رہبر کو ہا
پھر تیزی زباں پہ ہے قرباں زبانِ تیغ
آئی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار
لیجاؤں منکروں کے لئے ارمغانِ تیغ
شبیر خدا علی کہ شجاعت سے جس کی ہے
سرپنجۂ اسد پہ زنخ زن بنانِ تیغ
غالب کہ سر چڑھائے سے اسکی ہو فرض عین
تعظیم تیغ و تکرمتِ تیغ و شانِ تیغ

کیا دور اُس کے دستِ کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریزہ ہو مژۂ خونفشانِ تیغ

اے ابر تند بار ظفر خرمنِ عدو
ہے محو گرم پائیِ برقِ تپانِ تیغ

جوہر ترے مخالفِ مجروح ہیں نہیں
کوئی نگر یہی کہ وہ ہے قدر دانِ تیغ

آبِ حیات چارہ کرے یا دمِ مسیح
ممکن نہیں جئیں ترے خوں کردگانِ تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سرِ قہرمانِ تیغ

جرّاح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمانِ تیغ

یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان
سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کے نشانِ تیغ

سیف و قلم ہیں دونوں ستون کاخِ دین کے
حیراں ہوں بابِ علم کہوں یا جہانِ تیغ

غازی بھی تُو شہید بھی تُو تیرے دم سے ہے
سرگرم جلوہ فصلِ بہار و خزانِ تیغ

قصیدہ در تعریف رسالت مآب

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروس

ہے اس طرح فرح انگیز کو کوئے قمری
کہ جیسے فوج مظفر میں شور و غلغل کوس

نوائے طوطی شکر فشاں کی لذت سے
سماع در رقص میں اہل مذاق جوں طاؤس

غبار صحن چمن کیمیائے عیش و نشاط
بہار لالہ و گل سیمیائے عرض شموس

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانہ میں دشوار طائروں کو جلوس

زہے فریب صفا خاک بیز ہے گلچیں
پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس

ہجوم سبزہ نے کی بسکہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سدوس

پڑھے ہے مرغ گلستاں وہ مطلع رنگیں
کہ سن کے بس جسے رہجائے سن ہی کیا بلبل طوس

مطلع ثانی

زبان لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعلِ افسرِ کاؤس
شگفتہ تر ہے چمن روضہ ہائے جنّت سے
ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس
خلل پذیر رطوبت ہوا دماغِ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس
ہے دشتِ بزم طرب کثرتِ تتاجؔ سے
نہ کیوں ہو شکل حمار یکو نازِ شکل عروس
ہوائے سیر چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظتِ ناموس
عجب نہیں مۓ گلرنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس
مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالح الکیموس
رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دلِ اقیوس

بعید کچھ نہیں شادابیٔ زمیں سے اگر
زیادہ تر کرے سیلانِ خونِ گل خاموس

ہوا ہے بسکہ گلِ شمع بھی ہے عطر آگیں
عدیلِ طبلۂ عطار بن گئی فانوس

فسونگری دمِ مشاطۂ نسیم کی دیکھ
کہ مشکِ نافہ ہوئی غنچہ ہائے زلفِ عروس

صدا نکلتی ہے ملکر ہوا سے کیا ہو فرق
کہ بانگِ خندۂ گل ہے کہ نالۂ ناقوس

عرق آبِ خجالت ہوا کے فیض سے ہوں
کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دلِ مایوس

ہوا ہے کونسی ایسی مگر مدینے کی
دمِ مسیح کو ہے جس کی حسرتِ پابوس

شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوبِ حضرتِ قدوس

وہ کون احمدِ مرسل شفیعِ ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعثِ معاد نفوس

جہاں مطاعِ شہنشاہِ آفتاب نشاں
فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس

قصیدہ

چاہا ہٰا خلق کو صہبا و صنم سے محروم
ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم
محتسب نے خُم سے چھین لیا یا قسمت
ایسے کم بخت کے ہاتھ آئے ہمارا مقسوم
ہائے لینے نہ دیا نام عدو غیرت نے
ورنہ کیا کیا مرے ویرانے میں تھی کثرت بوم
کہیں ایسا نہ ہو وہ غیرتِ حور آ جائے
ہے بہت میرے جنازے پہ فرشتوں کا ہجوم
مصرع زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا حال پریشاں منظوم
جوشِ وحشت ہے یہ ناصح نہ پہنا ناز نجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو میں نہیں پابند رسوم
چاہیئے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں جیسا ہوں میں دل کا محکوم
تیری رفتار قیامت مری زاری طوفاں
حسن وہ عشق یہ کیونکر نہ پڑے خلق میں دھوم

یاں کی لاکھوں خلشیں واں کی ہزاروں فکریں
ایک جاں اُس پہ یہ ہنگامۂ الام وغموم
محتسب آپ کے آنے سے ہوا دیر خراب
قصد کعبہ کا نہ کیجیگا بایں یمنِ قدوم
جب سنایا مجھے اُس نے وہی الفت وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں بہر معدوم
سببِ شادیٔ دشمن تو بتا دو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم
سبزہ رنگی نے تری قتل کیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم
افضل الناس حسن ابن علی سبطِ نبی
سید و سرور و مولاؤ مُطاع و مخدوم
ابر بارندۂ دانش گُہرِ فیض کمال
قلزمِ حُسنِ عمل منبعِ دریائے علوم
شُبہہ کیا عصمتِ لختِ جگرِ احمد میں
جب مسلّم ہے کہ معصوم ہے جزو معصوم

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا

۴۲۲ ۸۹۱۶۴۳۱۴

(۲۹۴۴ب)

۳۲۰۳۲

Date	No.	Date	No.